(غلام گردش)

خدا حافظ، شیئگان شریف!

شیئگان شریف ملک سے 1993 میں ملاقات ہوئی تھی۔ ایڈیشنل سیکرٹری ہوم تھے۔ اور میں وزیراعلیٰ سیکریٹریٹ سے تبدیل ہوکر پنجاب کے ہوم ڈیپارٹمنٹ آیا تھا۔ بطور ڈپٹی سیکرٹری۔ ہر وقت سرکاری معاملات میں شیئگان شریف سے رابطے میں رہتا تھا۔ پہلے سے کوئی جان پہچان نہیں تھی۔ کوئی واقفیت تک نہیں تھی۔ ملک صاحب حد درجہ خاموش طبع انسان تھے۔ خاموش سوچ اور اپنی ہی دنیا کا مسافر۔ آہستہ آہستہ دونوں کی شناسائی، دوستی میں ڈھل گئی۔ بتدریج معلوم ہوا کہ ایک حد درجہ شریف النفس اور بڑا انسان ہے۔ کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حقیقت ہے، سول سروس کے بہت سے افسروں میں رعونت آجاتی ہے۔ خاص طور پر چھوٹے طبقے کیلئے تو صرف ادنیٰ القابات ہی ہوتے ہیں۔ مگر یہی افسر جب وزیراعلیٰ یا وزیراعظم کے دربار میں پیش ہوتے ہیں۔ تو لجاجت، عاجزی کی وہ جعلی مثال بن جاتے ہیں کہ انسان دھوکہ کھا جاتا ہے کہ کیا یہ وہی جابر افسر ہے جو اپنے جونیئر افسروں کیلئے حد درجہ درشت رویہ رکھتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے، پاکستان کے ایک دانشور نے سوال کیا تھا کہ سول سروس کی اکثریت غیر ملکی اداروں سے تعلیم اور تربیت حاصل کرتے ہیں۔ ملک کے بہترین اندرونی اداروں میں سلسلہ وار ٹریننگ کا حصہ بھی رہتے ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے کہ جیسے ہی وہ کسی سیاسی حکمران کے حضور پیش ہوتے ہیں تو ایک درباری کا روپ دھار لیتے ہیں، جو چرب زبانی اور خوشامد میں یدِ طولیٰ رکھتا ہے۔ شاہی دربار میں موجود اس افسر کے متعلق کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ وہ معمولی سا بھی پڑھا لکھا ہے۔ مگر صاحبان! یہ اکسیر لوگ، ہر دور کے ہر بادشاہ کو ایسا جل دیتے ہیں کہ جب تک وہ اقتدار میں رہتا ہے، اسے ان افسروں کی مصنوعی وفاداری پر کوئی شک نہیں ہوتا۔ ہاں، یہ افسر، دربار سے باہر نکل کر، حکمران سے اپنے ذاتی تعلق کو ہر جگہ داستان کی طرح پیش کرتے ہیں۔ ہر طرح کا فائدہ اُٹھاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے متعلق منفی باتیں کر کے خوب بدخوئی کرتے ہیں۔ سول سروس وہ جنگل ہے جس میں ہر طرح کے تعلیم یافتہ جانور موجود ہیں۔ مگر ان میں اور اصل جانوروں میں بہت فرق ہے۔ اصل درندے، جب پیٹ بھر جائے تو کسی کمزور اور ناتواں جانور کو قطعاً تنگ نہیں کرتے۔ مگر سول سروس کے جنگل میں ہر جانور، ہر وقت دوسرے کی جان کے درپے رہتا ہے۔ بھوک ہو یا نہ ہو، ہر دم دوسروں کی گردنیں کاٹنے میں مصروف رہتا ہے۔ اور اس پسماندگی کو میرٹ کا نام دیا جاتا ہے۔

مگر شیئگان شریف، سول سروس کے ریوڑ کا آدمی ہی نہیں تھا۔ اس میں پیٹھ پیچھے بدخوئی کرنے کی استطاعت ہی نہیں موجود تھی۔ ہمایوں فرشوری صاحب، سیکرٹری تھے اور وہ بھی حد درجہ اچھے انسان تھے اور ہیں۔ حیات ہیں۔ خدا انہیں عمرِ خضر عطا فرمائے۔ اب کے حالات تو معلوم نہیں مگر اس وقت ہوم ڈیپارٹمنٹ واقعی حد درجہ طاقتور تھا۔ آئی جی، ہوم سیکرٹری کے ماتحت تھا اور معاملات قدرے بہتر تھے۔ شیئگان صاحب سے تو ہر دم رابطہ رہتا تھا۔ مگر ہوم سیکرٹری سے ملاقات قدرے کم تھی۔ دو تین ماہ کے بعد محسوس ہوا کہ شیئگان صاحب، سول سروس کے خارزار میں اتنے ہی زخمی ہیں جتنا کوئی بھی شریف افسر ہو۔ کرتا شلوار پہنتے تھے اور ایک نیلے رنگ کی ویسٹ کوٹ زیب تن رہتی تھی۔ ملک صاحب سے بہت کچھ سیکھنے کا موقعہ ملا۔ جب فرشوری صاحب یعنی ہوم سیکرٹری کے پاس جاتے تھے۔ تو سفید کرتے

کا اوپر والا بٹن ہمیشہ بند کرتے تھے۔کلوز ڈ کالر ہونے کے بعد، اپنے سینئر کے پاس جانے کی تہذیب ملک صاحب سے سیکھی تھی۔ دوپہر گیارہ بجے کے بعد، انکے دفتر میں پرانے دوست موجود رہتے تھے۔ جس میں نوریز شکور، رانا فاروق اور زمانہ طالبعلمی کے رفیق اکثر نظر آتے تھے۔ ملک صاحب کا ایک وصف تھا کہ قانون کے حد درجہ ماہر تھے۔ ایسا ایسا قانونی نکتہ نکالتے تھے کہ انسان دنگ رہ جاتا تھا۔ ایک دن، اکیلے میں مشورہ دیا کہ آپکو سروس سے استعفیٰ دے دینا چاہیے اور قانون کی پریکٹس کرنی چاہیے۔ آئین اور مشکل نکات پر آپ جیسی گرفت بہت کم وکلاء کی ہے۔ لہذا اس نوکری میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ خاموشی سے سنکر کہنے لگے کہ بات تو ٹھیک ہے۔ ضرور سوچونگا۔ بہر حال بات آئی گئی ہوگئی۔ کچھ دن بعد بتانے لگے کہ کراچی کے اس دور کے سب سے بڑے وکیل پیرزادہ صاحب سے کسی جگہ ملاقات ہوئی۔ انہیں بتایا کہ آپ نے سپریم کورٹ میں ایک قانونی بحث میں غلط کیس کا حوالہ دیا ہے۔ جو آپ نے کہا، وہ قانونی طور پر درست نہیں تھا۔ پیرزادہ صاحب کا مونہہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ انہوں نے فوراً تسلیم کرلیا کہ ہاں، مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ ساتھ ہی، شیئگان کو کہا کہ نوکری سے استعفیٰ دیکر فوراً میرے ساتھ پریکٹس شروع کردو۔ بہت بہتر رہو گے۔ مگر شیئگان کسی کا احسان لینے کا عادی ہی نہیں تھا۔ حد درجہ خوددار آدمی۔ اس نے انتہائی شائستگی سے پیرزادہ صاحب کو انکار کردیا۔

عرض کرتا چلوں۔ کہ آپ کوئی اخبار، جریدہ اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ سرکاری ملازم کو ہر طریقے سے مالی بے ضابطگی کا محور قرار دیا جاتا ہے۔ چند فیصد لوگوں کے متعلق تو یہ بات درست ہے۔ مگر اکثریت افسران سفید پوشی میں زندگی گزارتے ہیں۔ انکی ایمانداری سکہ بند ہوتی ہے۔ شیئگان شریف کو کمال حد تک ایماندار انسان پایا۔ کسی کی چائے تک کا روادار نہیں تھا۔ فاقہ کشی میں زندگی گزار دی۔ سول سروس کی آلائش کو نزدیک نہ آنے دیا۔ قانون اور ضابطہ پر چلنے والا انسان، بھلا کس منفی بات کو قبول کرتا۔ دوست انہیں سفارش کرتے تھے۔ تو مجھے فون کر کے صرف یہ کہتے تھے کہ فلاں دوست نے کہا ہے۔ دیکھ لو، اگر کام میرٹ پر ہے، تو کر دینا۔ ورنہ کسی قسم کی رعایت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اور صرف میرٹ کا خیال کرنا۔ اس سے بڑھ کر اس شخص نے کسی کی سفارش نہیں کی۔ یہی حال، ہمایوں فرشوری صاحب کا بھی تھا۔ انہوں نے بطور سیکرٹری کبھی کسی کام کیلئے دباؤ نہیں ڈالا۔ اب ایسے افسر نہیں رہے۔ اب تو صرف اور صرف حکمران کی غلامی کا تصور رہ گیا ہے۔ ویسے پنجاب میں سول سروس کو ذاتی ملازم سمجھنے کا کارنامہ صرف اور صرف اَل شریف سے شروع ہوا تھا۔ ان سے پہلے اور بعد میں، سرکاری حالات کافی حد تک بہتری کی طرف گئے ہیں۔

ایک دن، شیئگان صاحب کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ جی اور آر ون میں رہ رہے تھے۔ سٹڈی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ قانون، انگریزی ادب، فلسفہ اور ہر دقیق مضمون کا احاطہ کرتے ہوئے، ایک ضخیم لائبریری۔ پوچھا کہ سر یہ ساری کتابیں واقعی آپ نے پڑھ رکھی ہیں۔ ہنسنے لگے۔ پہلی بار بتایا کہ سوتا بہت کم ہوں۔ جگ راتے میں صرف اور صرف کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں۔ تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ریک میں جگہ ختم ہو چکی تھی۔ زمین پر بھی مزید کتب رکھنے کی کوئی جگہ نہیں بچی تھی۔ سگریٹ سلگا کر کہنے لگے کہ اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو کوئی بھی کتاب اُٹھا لو۔ اس میں سے کوئی سوال پوچھ لو۔ جواب دونگا۔ میں نے کہا کہ سر، مجھے یقین ہے کہ یہ نمائش کیلئے نہیں رکھی ہوئیں۔ آپ نے یقیناً پڑھ رکھی ہیں۔ ہاں، ایک بات پہلے لکھنا بھول گیا۔ شیئگان کسی بھی اچھی پوسٹنگ میں دلچسپی

نہیں رکھتے تھے۔طویل عرصہ،سول سروس اکیڈمی میں ڈائریکٹر لگے رہے۔وہاں بھی کتابیں اورصرف کتابیں۔عجیب مردِصحرا تھا۔سول سروس میں آنے کے بعد،افسران اپنے آپکوساتویں آسمان کی مخلوق سمجھنے لگتے ہیں۔مگروہ ایساانسان تھاجسکے پیرزمین پر لگے ہوئے تھے۔زمینی حقائق سے جڑاہواہمدردآدمی۔ایک دن مجھے کہنے لگے کہ منظر،طویل عمر کا کوئی فائدہ نہیں۔میں بہت دیرزندہ نہیں رہناچاہتا۔یہ آج سے دس بارہ سال پہلے کی بات ہے۔سوچ سمجھ کرجواب دیا کہ نہیں سر،یہ فیصلہ خدا کرتا ہے۔کہ کسی بشرکوکتنی زندگی دینی ہے۔آپ اس معاملہ پراتنی سخت بات نہ کریں۔مگرشیئگان صاحب،جوکہتے تھے،وہی کرکے دکھایا۔کوئی دوسال پہلے،کسی نے بتایا کہ ملک صاحب کوکینسرلاحق ہوچکاہے۔تیمارداری کیلئے فون کیا۔توعلالت کی وجہ سے فون نہ اُٹھایا۔تھوڑی دیربعد،ایک پیغام آیا۔کہ میں کینسر سے لڑرہاہوں۔دعا کروکہ خداصحت سے نوازے۔اسکے بعدگاہے بگاہے،میسج پربات ہوجاتی تھی۔بڑی بہادری سے اس موذی مرض کا مقابلہ کیااوراسے شکست دی۔صحت یاب ہوگئے۔مگررہے،گوشہ نشینی میں۔

بڑے عرصے کے بعد پتہ چلا کہ شیئگان شریف اورخواجہ ظہیراحمدصاحب قریبی عزیز ہیں۔خوش قسمتی ہے کہ خواجہ صاحب سے میراذاتی تعلق ہے۔وہ بھی ایک حیرت انگیز حدتک منفردانسان ہیں۔قانون،حقیقت میں خواجہ صاحب کے سامنے پانی بھرتاہے۔کئی پیچیدہ معاملات میں جب تمام بہترین قانونی دماغ بے بس ہوجاتے تھے،توپھرخواجہ ظہیراسکوفراست سے حل کرتے تھے۔ویسے یہ سابقہ وزیراعظم کی خوش قسمتی تھی کہ خواجہ صاحب جیسے بڑے لوگ انکے اردگردموجود تھے۔خدا،خواجہ ظہیرکوشادوآبادرکھے۔بات شیئگان شریف صاحب کی ہورہی تھی۔کینسرتوٹھیک ہوگیا۔مگرکچھ عرصہ پہلے اطلاع ملی کہ کرونا سے متاثر ہوکرہسپتال داخل ہیں۔دل میں ہرطرح کے وہم اُٹھے کہ خداخیرکرے۔اللہ انہیں صحت یاب کرے۔چنددن پہلے اطلاع ملی کہ ملک صاحب فوت ہوگئے ہیں۔فلاں وقت،فلاں جگہ انکی نمازہ جنازہ ہے۔دل کواس قدرصدمہ پہنچا کہ کئی منٹ سکتے میں رہا۔شیئگان صاحب کا چہرہ باربارسامنے آرہاتھا۔وہ دورجوانکے ساتھ گزراتھا،ایک خواب کی طرح لگاتارآنکھوں کے سامنے گزررہاتھا۔مگرکیا کیاجاسکتاہے۔حکمِ ربی ہے۔خالق کاحکم ہے۔ہم سب اسکے مجبوربندے ہیں۔نمازِجنازہ پڑھنے کی ہمت نہ کرسکا۔گھربیٹھ کرقرآن خوانی کرتارہا۔اسلیے بھی کہ دوستوں کی قبریں زمین میں نہیں بنتیں،وہ دلوں کے داغ بن جاتی ہیں۔خداحافظ،شیئگان شریف صاحب،خداحافظ۔

راؤمنظرحیات